بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

(۲)

(ماہِ مارچ میں پہلی قسط دی گئی تھی)

میں کچھ آگے چلنا چاہتا ہوں مگر موضوعات اور معلومات چاروں طرف سے ایسے سر اُٹھا رہے ہیں، جیسے شجرۃ الزقوم کے سر، سینگ اور کان۔ کچھ معلومات حافظہ سے اُبھرتی ہیں اور کچھ باہر سے برستی ہیں۔ ان کی وجہ سے تسلسلِ بیان کو قائم رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔ مگر بہر حال یہ بنیادی تسلسل قائم ہے کہ ہم اسلامیت کی راہ کی مزاحمتوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔

ایک قصہ تو اسرائیل کا ہے جس نے یہ اعلان کر کے مشرقِ وسطیٰ کے مسلمانوں کو پھر چونکا دیا ہے کہ وہ اسٹنگر میزائل کو تباہ کرنے کے لیے سعودی عرب پر حملہ کرے گا۔ عراق میں پہلے اس نے اٹامک سنٹر تباہ کیا۔ پاکستان میں ایسی کارروائی کے لیے اپنی تخریبی و تاریک ذہانت کے ساتھ وہ اپنی نوعیت کی نوخیز قوت بھارت سے ساز باز کر رہا ہے۔ اب سعودی عرب کو بھی نشانہ بنانے کے ارادے سامنے آگئے ہیں۔ مطلب کیا ــــ؟ مطلب یہ کہ ایک تو کسی مسلمان ملک اور قوم کے اندر سائنسی یا دفاعی قوتوں کا نشوونما نہ ہونے دیا جائے ورنہ یہ آبادی اگر تحریکی شعور سے بہرہ مند ہوگئی تو موجودہ ترتیبِ عالم کو ہلا دے گی۔ کسی مسلمان ملک یا آبادی کو گھٹنوں تلے دبا کے نہ رکھا جا سکے گا۔ قرضوں کے پھندے گردنوں میں ڈال کر اُن کو گھسیٹا نہ جا سکے گا۔ اور ان کی زمینوں اور علاقوں پر مجرمانہ قبضہ جما کر اصل آبادیوں کو بہیمیت کے ٹینکوں کے نیچے

کچلا نہ جا سکے گا۔ اشارات لکھ چکنے کے بعد یہ ذلیل حرکت سامنے آئی کہ اسرائیلیوں نے ابوجہاد کو قتل کر دیا۔

اس وقت اسرائیل اس نئی مقاومتی لہر سے گھبرا اُٹھا ہے جو اسرائیل کے اندر، عرب مسلمانوں کی طرف ۔۔۔ اسلامی اسپرٹ کے ساتھ اس شان سے اُٹھی ہے کہ سرفروش جانیں دے دے کر اپنی لاشوں سے صہیونیت کے سیلاب کے آگے بند بناتے ہیں۔ وہ آگے بڑھتا ہے تو لاشوں کا نیا بند آجاتا ہے، پھر اور، پھر اور ۔ یہ تجربہ اسرائیل کو پہلے کہاں ہوا تھا۔ اور یہ تجربہ کہ بالکل نہتے لوگ، بوڑھے، بچے، عورتیں پولیس اور فوج کے مقابل میں پتھر اُٹھائے نکل آتے ہیں۔ بے تحاشا مرتے ہیں مگر کسی صہیونی کا کلہ توڑ کر اور کسی کی آنکھ پھوڑ کر۔ جوابی کارروائی کا حال یہ ہے کہ کسی بھی راہ چلتے مسلم عرب کو پکڑ کر اسرائیلی سپاہی ڈنڈوں سے پیٹنے لگتے ہیں، ہڈیاں توڑ دیں گے، جسے چاہیں گولی مار دیں گے، گرفتار کر کے مارتے پیٹتے کہیں لے جائیں گے۔

اور ع اس راہ میں مائیں چیختی ہیں، اس راہ میں بچے مرتے ہیں۔

ذرا آپ صہیونیوں کے مشہور گورو گھنٹال ڈاکٹر ہنری کسنجر کا ایک جملہ سنیں جسے اُس نے امریکہ کے جیوئش کمیونٹی کے ۸ سرکردہ لیڈروں کی ایک نشست میں پرائیویٹ سطح پر ناشتہ کرتے ہوئے کہا:

> میڈیا کو ختم کر دو، عربوں کی تحریک کو کچل دو، جتنا جلدی ممکن ہو، پورے غلبے کے ساتھ، شدید ستم گاری کے ساتھ، اور بہت تیزی کے ساتھ۔

بعد میں کہا کہ نرم رویہ اختیار کرنے میں کوئی افادیت نہیں۔ اور اس نے یہ بھی کہا کہ یہ تو محض ناشتے پر اس کے عندیے کا بہت ہی چھوٹا سا حصہ ہے۔

دیکھیے یہ شخص جو تہذیب حاضر کے خاص فرزندوں میں سے ہے، جو نازی جرمنی سے بچ کر نکلا ہوا ایک پناہ گیر ہے۔ وہ یہ ذہن رکھتا ہے کہ ایک تو قوت حق ہے اور دوسرے شرافت اور تہذیب کے جو بھی تقاضے ہو سکتے ہیں، وہ اوروں کے لیے ہیں، مسلمانوں اور عربوں کے لیے نہیں ہیں۔

اسرائیل کیا ہے، مشرقِ وسطیٰ میں امریکہ کا قائم کردہ ایک "تھانہ" ہے۔ تھانیدار

جو چاہے کرتا رہے، نہ داد نہ فریاد، نہ دلیل نہ وکیل!

ہر بڑی قوت نے اپنے آگے آگے پائلٹ قوتیں چلا رکھی ہیں۔ بڑے سامراجی ممالک جو کام براہ راست نہیں کر سکتے وہ اپنے ان کارندوں سے کراتے ہیں۔ جیسے ہمارے ہاں کے جاگیرداروں کا نظامِ کار ہے۔

اسرائیلی حکومت اور فوج اور پولیس کی وحشیانہ کارروائیوں کے خلاف خود یہودیوں کی طرف سے صدائے احتجاج بلند ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ایک تو ظلم حد سے گذر گیا ہے، دوسرے حالات کی ساری خرابیوں کے باوجود انسانیت ابھی اتنی مری نہیں کہ معاشرے میں اس کی مرے سے کوئی آواز ہی نہ اُٹھے۔ یہ آواز تو اب رُوس کے سوویٹ گلا گھونٹو نظام میں بھی اس طرح اُٹھی ہے کہ پنجابی کہاوت کے مطابق اوّل تو مُردہ بولے ہی نہیں، ورنہ اگر بول پڑے تو چھت ہی پھاڑ دکھائے۔ اسرائیل میں بھی خود یہودیوں نے صہیونی مظالم کے خلاف ایک چیخ ماری ہے۔

اسرائیل کا دوسرا کارنامہ بیان کرتے ہوئے تمہیداً چند الفاظ یہ کہہ دیے جائیں کہ پاکستان یا مسلمانوں یا کسی مُسلم ملک یا کسی مُسلم شخصیت کو کہیں سے کوئی فائدہ پہنچنے یا امداد ملنے یا کسی ضرورت کے پورا ہونے یا کوئی مفید تجارتی یا دفاعی معاملہ کرنے کا کوئی موقع پیدا ہو تو غالب صہیونی تمام یہودیوں کو ساتھ ملا کر اس میں رکاوٹ ڈالنے کی آخر دم تک بھرپور کوشش کرتا ہے۔ خصوصاً مغربی ممالک اور ان میں سے بھی درجہ اوّل پر امریکہ سے جب کبھی ہمارا کوئی معاملہ شروع ہوتا ہے تو بھارت اور اسرائیل دونوں (جاگیردار امریکہ کے مزارعے) ہمارا راستہ روکنے کے لیے پریس، سینیٹ، کانگریس اور قصرِ صدارت، سبھی دائروں میں یلغار کر دیتے ہیں۔

یہی مکروہ صورت آج ایک معاملے میں سامنے آتی ہے۔ "ٹمپلیشن فاؤنڈیشن" نامی دارے نے مذہبی ترقی کے لیے ایک انعام مختلف مذہبی شخصیتوں اور اداروں کو دینے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اب تک یہ انعام رومن کیتھولک، پروٹسٹنٹ، راسخ العقیدہ روسیوں، ہندوؤں اور بدھوں کو ملتا رہا ہے۔ پہلی مرتبہ مذکورہ ادارے نے یہ انعام ڈاکٹر انعام اللہ خان سیکرٹری جنرل موتمرِ عالمِ اسلامی کو دینے کا اعلان کر دیا ہے۔

اب تل ابیبی اسرائیلیوں سے لے کر یُنائیٹڈ صہیونیوں تک تلملاہٹ کا ایک طوفان

اُکھڑ کھڑا ہوا ہے۔ وہ لوگ متذکرہ فاؤنڈیشن کے پیچھے پڑ گئے ہیں کہ اس نے یہ انعام سامیوں کے ایک نسلی مخالف (ANTISEMITIC) کو کیوں دے دیا ہے[1]۔ پریس میں انہوں نے اودھم مچا دیا ہے اور خطوط اور ملاقاتوں کا سلسلہ نہ معلوم کہاں سے کہاں تک ہے۔ دراصل یہودیوں نے ہر اس مسلمان شخصیت یا ادارے کا ریکارڈ رکھا ہوا ہے اور اس کے بارے میں معلومات جمع کی جاتی ہیں جو اہمیت اختیار کر جائے اور خصوصاً بین الاقوامی دائروں میں قدم آ رکھے۔ سو یہ قصور تو انعام اللہ خاں پہ ثابت تھا۔ ان کا ریکارڈ کہتا ہے کہ ڈاکٹر انعام اللہ خاں صاحب نے مخالف سامی لٹریچر پہ بڑا روپیہ لگایا ہے۔ پھر اس لٹریچر کی تفصیل بھی پریس ہی آگئی ہے جو کراچی سے لے کر امریکہ کے سینیٹروں، کانگریسیوں اور ایک ہزار برطانوی ٹریڈ یونینوں وغیرہ تک ارسال کیا جاتا رہا ہے۔ (یہودیوں کی معلومات پہ ہر آدمی حیران رہ جاتا ہے) ۔ اب زور اس پہ ہے کہ فاؤنڈیشن اس انعام کو منسوخ کر دے۔ دیکھیے! کیا ہوتا ہے۔ اگر صہیونی کامیاب رہے کہ پھر خاں صاحب بجائے خود اللہ کا انعام ہی ہیں۔ انہیں کسی اور انعام کی کیا احتیاج ؟

اب سر جھکا کر سوچیے کہ ہمارے گرد کس کس سانپ نے کنڈلیاں ڈالی ہوئی ہیں اور ہر ایک کے چکر کتنے کتنے ہیں ؟

ٹوٹے ہوئے سلسلۂ عبارت (مارچ اور اس کے بعد کے لیے جو کچھ لکھا) اس کی کڑیوں کو جوڑنے سے پہلے ایک اور قصہ جسے آنا تو پہلے چاہیے تھا، مگر اب سامنے آیا تو میں نے

---

[1] واضح رہے کہ جب کبھی مسلمانوں کی طرف صہیونیت اور اس کی مُسلّم آزادی پر کوئی آواز اٹھتی ہے تو اُسے مخالفِ سامیت قرار دے کر ..... نسلی تعصب کا ایک مسئلہ بنا دیا جاتا ہے اور اس سوال کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا جاتا ہے کہ حق، ناحق کیا ہے اور ظالم مظلوم کون! یہ صہیونیوں کے مخالفِ مُسلم پروپیگنڈے کا بڑا ہتھیار ہے، مگر یہ ہتھیار بھی سچ کی دھات سے نہیں بنا، اس کی دھات بھی کھوٹی ہے۔ سارا جھوٹ کا کھیل ہے۔

شامل کر لیا۔ نظامِ تعلیم پر کچھ بحث ہم نے مارچ میں کی تھی۔ اس کا ایک اور وضاحتی پہلو ہے۔ ہمارے عزیز دوست عزیز مرزا جو ایک طرف وسیع معلمانہ تجربہ رکھنے والے قابلِ قدر ہیں اور دوسری طرف مروجہ نظامِ تعلیم اور نظامِ مدارس اور خصوصاً مشنری تعلیمی مساعی اور باہر سے چھپ کر آنے والی نصابی کتابوں کا تفصیلی جائزہ لے رہے ہیں اور سارا مواد جمع کر کے شاید وہ ایک ٹھوس شکل میں سامنے لائیں۔ انہوں نے مجھ سے گفتگو میں کرنے کے علاوہ اپنی معلومات، مواد اور جمع کردہ اعداد و شمار کی ایک جھلک ایسی دکھائی کہ اب میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ بیرونی ملحدانہ تہذیب اور بیرونی زبان کی جو بیڑیاں ہمیں پہنائی جا رہی ہیں اُن سے آزاد ہونے کی راہ کیا ہے اور ان سے آزاد ہوئے بغیر ہم اسلام کے لیے اس معاشرے میں کوئی بڑا کام کر کے کوئی ہمہ گیر تبدیلی کس طرح لا سکتے ہیں۔ مسئلہ یہ نہیں کہ ہمارے ذہن اسیرِ قفس ہیں بلکہ زیادہ تشویش کی بات یہ ہے کہ ہم نے تو اپنی نسلوں کو اغیار کے ہاتھوں میں گروی رکھ دیا ہے اور جہاں کہیں اپنے آدمی کام کرتے دکھائی دیتے ہیں وہ تو اغیار ہی کا کام کر رہے ہیں — وہی ذہن، وہی نصاب، وہی تصویریں، وہی رنگ، وہی زبان —

اور اس ملک گیر گردابِ تعلیم میں ہمارا اپنا سب کچھ غرق ہوا جا رہا ہے، ہر غرقابی کے بعد کچھ بلبلے اٹھتے ہیں اور پھر خاموشی چھا جاتی ہے۔ میں تو یوں محسوس کرتا ہوں کہ ہم عہدوں اور تنخواہوں کے عوض اپنی اولادوں کو اسی طرح قصائیوں کے حوالے کر رہے ہیں جیسے ہر روز ہر شہر کی بکرمنڈی میں بے شمار گردنیں چھریوں کے حوالے کر دی جاتی ہیں۔ ہم جادو کے اس دریا میں جو ہمارے آگے اور پیچھے اور دائیں اور بائیں بہہ رہا ہے۔ اپنے ایک ایک بچے کو اُٹھا اُٹھا کر پھینکتے ہیں اور جو جتنا زیادہ ڈوب جاتا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی وجہ سے ہمارا بیڑا اتنا ہی جلد پار ہوگا۔ ہم وافر سکوں اور نوٹوں اور معیارِ زندگی اور آسائشات کو حاصل کرنے کے لیے اپنی اولاد کے ساتھ اپنے ایمان، اپنے عقیدوں، اپنے فریضۂ دعوت اپنے جذبۂ انفاق فی سبیل، اپنے جنونِ جہاد برائے حق اور اپنی نمازوں، روزوں اور پردے اور شرم اور غیرت اور روایات اور اقدار سب مادہ پرستی کی آگ میں جھونک رہے ہیں جو زمانے نے ہر طرف بھڑکا رکھی ہے۔

ہمارے یہاں حکومتی اور نیم حکومتی انتظام میں چلنے والے تعلیمی اداروں کی اقسام یہ ہیں:
۱- عام گورنمنٹ پرائمری، مڈل، ہائی اسکول - ۲- پرائیویٹ سیکنڈری سکولز - ۳- گورنمنٹ کمپری ہنسو اسکول - ۴- پنجاب میں ۳ سنٹرل ماڈل اسکول - ۵- ڈویژنل پبلک اسکول - ۶- وہ پبلک اسکول جن کے بورڈ آف گورنرز کی صدارت گورنر صوبہ پنجاب کے پاس ہے (مثلاً ایچی سن کالج) ۷- کنٹونمنٹ بورڈ اسکول - ۸- بلدیاتی اداروں کے تحت چلنے والے اسکول - ۹- بلدیاتی اداروں کے تحت چلنے والے جونیر ماڈل اسکول - ۱۰- حکومت کے تحت چلنے والے جونیر ماڈل اسکول - ۱۱- کیڈٹ اسکول - ۱۲- نیشنلائزڈ اسکول - ۱۳- پرووِنشلائزڈ اسکول - ۱۴- سوشل سیکوریٹی اسکول -

نظامِ مدارس کی یہ رنگا رنگی اور ان میں درجہ بندی معاشرے کے طبقاتی انتشار کی آئینہ دار ہے -

اِن سب پر تفصیلی گفتگو ممکن نہیں - ہم ایک ہی قسم کو لیتے ہیں - جن کی چھاپ مقبول ترین ہونے کی وجہ سے مختلف اداروں پر مختلف درجوں میں اثر انداز ہے — یہ ہیں:

ST. JOSEPH ، ST. MARY ، ST. ANTHONY ، SACRED HEART.

اور کیتھیڈرل نام کے بہت سے ادارے جو عیسائی مشنری کے قائم کردہ ہیں - یہ ادارے اس تصور پر قائم کیے گئے ہیں کہ برصغیر میں بسنے والی اقوام غیر مہذب اور تعلیم سے بے بہرہ ہیں ہم انہیں تہذیب اور تعلیم سکھانے پر مامور ہیں[1] - یہ ادارے بیرونی مشنریوں کی مالی امدادوں پر اور عیسائی حکومتوں کی سرپرستی میں اور سمندر پار کے چھپے ہوئے لٹریچر کی مدد سے ملحدانہ کلچر کو عیسائیت کا رنگ دے کے اُسے پھیلا رہے ہیں اور شاخ در شاخ کتنے ہی کیتھیڈرل قائم ہیں -

---

[1] ترتیب اُلٹ گئی - پہلے مسلمان دنیا کو علم اور تہذیب کی نعمتیں عطا کرنے والے تھے، اور محتاجوں میں خود یورپ شدید ترین محتاج تھا - اب مسلمانوں کو علم اور تہذیب سکھانے والے اغیار ہیں ہم نے اپنی سابق پوزیشن بحال کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی - آج ہم دُنیا میں علم و تہذیب کے اوّل درجے کے گداگر ہیں -

نصاب کی بالکل ابتدائی انگلش کتابوں میں عریاں رانوں کے ساتھ ایک لڑکی اور مغربی لباس میں ایک لڑکا، بار بار اُن کے عیسائی نام اور بار بار ان کی تصویریں، پھر ایک کتا، بار بار کتا مختلف حالتوں میں، پھر نام لیے بغیر کرسمس ٹری، ایک سے زیادہ بار — نہ محمد مصطفیٰؐ کا ذکر، نہ مسجد کی تصویر، نہ قرآن کی کوئی آیت — تاریخ اور جغرافیہ بھی اگر مذکور ہوا تو یوں کہ ایک باب کا عنوان ہے:۔

"IRRIGATION SYSTEM DURING TUDOR DYNASTY"

یعنی ٹیوڈر بادشاہوں کے زمانے کا نظامِ آب پاشی جس کا تعلق انگلینڈ سے ہے۔

اب ذرا ان مدارس کے ماحول کی ساحری کا اندازہ ان الفاظ میں کیجیے:

اِس نصاب کے ساتھ ان اسکولوں کی پُروجاہت عمارتیں، طلبا کی محدود تعداد کے لیے کشادہ کلاس رُومز، طویل راہداریاں، کامن رُومز، آڈیٹوریم، تھیٹر، تیرنے کے حوض، جسمانی تربیت کے لیے جمنیزیم، کھیلوں کے سرسبز گراؤنڈ، رہائش کے لیے باوقار ہاسٹل اور ان میں مامور خدام، یہ سب مراعات بچے کو ہمہ وقت یہ احساس دلاتی ہیں کہ وہ اہم ہے۔ مشن اسکولوں میں فادر کا پُرنور چہرہ، سفید ڈاڑھی، سفید لباس، گلے میں صلیب کا نشان اور راہبات کے جھمگھٹے [1]

[1] ان کے بالمقابل بچہ جب محلے یا گاؤں کی مسجد کے امام صاحب کی مفلوک الحالی اور ان کے میلے لباس کو دیکھتا ہے تو اندازہ کر لیجیے کہ اس کے دل میں اپنی اقدار و روایات کا کونسا درخشاں تصور پیدا ہوگا۔ اور ان سے اس کو کیا وابستگی پیدا ہوگی۔

علاوہ اس کے (MASS EDUCATION) کے لیے حکومتی یا تجارتی یا رفاہی یا با گروہی ادارے جو چل رہے ہیں۔ ان میں بچوں کی بھرمار ہے — ایک ایک کلاس روم میں سو سو بچے بیٹھتے ہیں۔ فرنیچر، تجربہ گاہوں اور دیگر تعلیمی سہولتوں کا فقدان ہے، کھیل کے میدان ناپید ہیں۔ اساتذہ بالعموم معیارِ مطلوب سے فروتر ہیں۔ بچہ اوّل روز سے عدمِ توجہی (باقی بر صفحہ آئندہ)

اِن اداروں کو ہمارے ہاں کے نظامِ امتحانات سے بھی بالاتری حاصل ہے۔ اور محض اس وجہ سے یہ جو کچھ بھی جس طرح چاہیں پڑھاتے سکھاتے رہیں۔ یہاں سے مؤثر مداخلت نہیں کی جاسکتی۔ یہ بے شمار آزاد جزیرے ہیں جو ہماری اجتماعی زندگی کے سمندر میں ہم سے تعلیمی و تہذیبی اختلاف رکھنے والوں نے تعمیر کر لیے ہیں۔

دردناک حقیقت یہ ہے کہ کئی پبلک سکول اور کالج ایسے ہیں جن میں ہمارے بعض لیڈروں کے حصص ہیں، یا وہ ڈائریکٹر ہیں یا صدر ہیں یا مہمانِ خصوصی بن کے جاتے ہیں۔ اور اپنی سرپرستی میں ان کو نوازنے کے ساتھ انعامات یا سندات تقسیم کرتے ہیں۔ اس وقت باہر کے چالاک شکاری دل ہی دل میں کہتے ہوں گے، کس خوبی سے ہم نے ایک قوم کی قوم کو اُلو بنایا۔

اب یہ ادارے جو ہر سال صدہا نوجوانوں کو تیار کر کے (اور کبھی مغربی بلند تعلیم سے گزار کر) ہماری فوجی اور سول بیوروکریسی میں ڈال رہے ہیں۔ اور خاکروب خاندانوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور بعض اوقات تشدد کا شکار رہتا ہے۔ وہ کئی وجوہ سے سکول میں سبق کو سمجھ نہیں پاتا۔ گھر کا ماحول مفوضہ کام کرنے کے لیے سازگار نہیں اور نہ کوئی مدد دینے والا ہے۔ ان سارے حالات کی سزا اسے گالیوں، ڈنڈوں، گھونسوں اور مرغا بننے کی صورت میں ملتی ہے۔ مایوسیوں اور ناانصافیوں کی گود میں پروان چڑھنے والے ایسے بچے ہر شعبۂ زندگی میں کام چور، خائن اور اپنے آپ سے خفا اور معاشرے سے بیزار رہتے ہیں۔

گویا ہمارے ہاں کے اس طرح کے تعلیمی ادارے بچوں کو اپنے دین اور ملک سے مایوس اور مشنری اسکولوں اور ان کے رنگ میں رنگے ہوئے اسکولوں اور ان کے نظام اور ان کے مذہب سب کے لیے اپنے اندر ایک مرعوبیت لے کے اُٹھتے ہیں۔ گویا ہم اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تعلیمی محاذ پر ان اغیار سے مار کھا رہے ہیں، جو باہر سے یہاں آکر کام کر رہے ہیں۔ ہائے یہ زنانہ طرز کی شکست! یہ صورتِ حالات بھی گویا ہمارے دین و تہذیب ہی کے لیے نہیں، ملکی استحکام کے لیے بھی تباہ کُن ہے۔

لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے خرچ پہ پڑھا کر بپتسمہ دے کر، اپنے بے شمار تعلیمی اداروں میں معلمانہ مسندوں پہ بٹھا کر بڑے بڑے خاندانوں اور نوابوں اور جاگیرداروں اور جرنیلوں اور وزیروں کے بچوں کو ان کی شاگردی کے سایہ میں دئے ہوتے ہیں ۔ اندازہ کیجیے ایسے معلمین و معلمات کے سماجی مرتبے (STATUS) میں آنے والے انقلاب عظیم کا "صاحب" کے گھر کموڈ اور گندی نالیوں کو صاف کرتے کرتے بچے اُٹھتے ہیں اور اسی صاحب کے بچوں یا نواسوں اور پوتوں کے لیے سر / ماسٹر، اور مس یا میڈیم بن کر ان کو امریکیوں اور انگریزوں کے ذہن سے جب غیر اسلامی اور غیر پاکستانی تہذیب کے سانچے میں ڈھال رہے ہوتے ہیں تو اس شکل میں گویا مسلمانوں کی دینی برتری اور تہذیبی خودداری کا انتقام لے رہے ہوتے ہیں ۔ اور بڑے بڑے خاندانوں کے نادان مسلمان خوش ہو رہے ہوتے ہیں کہ اب ان کی اولادیں ترقی کی راہ پہ پڑ گئی ہیں ۔ گویا اس تعلیمی و تہذیبی صلیبی جنگ میں ہم اپنی ملی خودی کے یروشلم کی کنجیاں فاتح صلیبی قوت کے حوالے کر رہے ہوتے ہیں ۔ اور اسے کامیابی سمجھتے ہیں کہ ایک پرانا کباڑ ہمارے دشمن کی تحویل میں دے دیا گیا ہے ۔

ان تعلیمی اداروں کی مثال میں کہا جاتا ہے کہ یہ سائنسی ترقی کا ذریعہ ہوں گے ۔ انگریزی دور سے لے کر اب تک برابر یہ کام کرتے رہے ہیں ۔ بتایئے انہوں نے کوئی سائنس دان پیدا کیا؟ کوئی صاحب ایجادات کہیں سے اُبھرا ہے؟ کسی نے ملک استعمالی اور مشینی اور دفاعی صنعتوں میں کوئی نیا اقدام کر دکھایا؟ حقیقت میں سائنس کا نام ہی نام ہے ۔ اصل میں گرجے، مخلوط سوسائٹی، ننگی ٹانگوں، کھلے بالوں اور انسانی زندگی میں کتوں کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے علاوہ مناظر سے لطف اندوزی اور خواہشات سے تفریح حاصل کرنے اور حقیقی خدا پرستی، دینداری، عبادات، حدودِ حلال و حرام، اخلاقی بلندی و پستی کے پورے تصورات سے ہماری نسلوں کو دُور لے جانا مقصود ہے ۔ چنانچہ یہ سب مسیحی اور مسیحیت و مغربیت کی پرچھائیں قبول کرنے والے پبلک اسکول ہم لوگوں کی اولادوں کو ایسے جانوروں میں بدل دینا چاہتے ہیں جو کھانے پینے اور دیگر مواقعات میں اندھا دھند مشغول ہوں، دولت کی اتنی ترنس رکھتے ہوں کہ خیانت کا رنگ خوب پھیلائیں ۔ عورت کو گھر سے نکال کر پردے سے اور بڑی حد تک لباس سے بھی آزاد کر کے

لسے نمائش کاری اور ہوس کاری کے اسٹیج پر لا کھڑا کریں اور مخلوط سوسائٹی اور فحاشی اور عیاشی کے ذریعے تمام اخلاقی احساسات کو تباہ کردیں ۔

اگر ایک ہی مہم چلتی رہے تو احیائے اسلام کے خواب کو پریشان کرنا بڑا آسان ہے ۔ کجا یہ کہ دسیوں ترکیبیں اور بھی کام کر رہی ہیں ۔

دوسری طرف یہ قصہ بھی چھڑ چکا ہے کہ ایک تعلیمی و تہذیبی یلغار اسمٰعیلیوں نے بھی ہمارے دماغ درست کرنے کے لیے شروع کی ہے ۔ مدتوں تک یہ سمجھا جاتا رہا کہ یہ لوگ دوسروں سے تعرض کیے بغیر اور سیاسی مقاصد کو سامنے رکھے بغیر معاشرے میں سیکولر سے خاموش کام کرتے رہے ہیں ۔ مگر اب پاکستان پر جو ان کی پُر اسرار توجہ خاص طور پر ہوئی ہے تو لازماً اس کے پیچھے ایک خطرناک منصوبہ ہے جسے ہفت روزہ تکبیر نے واضح کر دیا ہے ۔ اس وقت دو بڑے تعلیمی و ثقافتی اڈے ان کی طرف سے قائم ہوئے ہیں ۔ جو بظاہر بڑا احسان معلوم ہوتے ہیں کہ پاکستان کی ترقی کے لیے ایک گروہ روپیہ اور قابلیت دونوں کو کھلے دل سے استعمال کر رہا ہے ۔ مگر یہ احساس معصومانہ قسم کے نہیں ہیں ۔ ایک طرف ان کے عالمی لیڈر اور پیر آغا خاں، امریکہ و برطانیہ کے محبوبانِ خاص میں سے ہیں ۔ دوسری طرف ہندو لامذہبی تامڈ کے ساتھ ان کا قانون ہے، اور پھر بھارت میں ان کی خاصی آبادی اور بہت بڑے کاروبار بھی ہیں ۔ یہ وہاں کے مسلمانوں سے بالکل الگ ایک گروہ ہیں ۔ ان کے عقاید توحید و رسالت دونوں کے معانی کو غت ربود کرنے اور نماز کے بجائے اپنے پیر کو سجدہ کرنے اور حاضر امام کو حرام و حلال کا فیصلہ کرنے کا مختارِ کل سمجھتے ہیں ۔

اِس مذہبیت کے ساتھ اور امریکی، برطانوی اور بھارتی رابطوں کے ساتھ وہ پاکستان پر بہت مہربان ہیں ۔ وہ شروع سے بنو اُمیّہ کے دورِ حکومت کو اسلام کا شاندار مظہر مانتے ہوئے اور رقص و موسیقی اور آزادیٔ نسواں کی ترغیب دلاتے ہوئے پاکستان کو سیکولرازم کی راہ پر لے جانا چاہتے ہیں ۔ پاکستان میں اپنے پروگرام کو آگے بڑھانے کے لیے انہوں نے یہاں بڑی

سخاوتیں دکھائی ہیں۔

اب انہوں نے کچھ تازہ اقدام کیے ہیں۔ پہلے تو کراچی میں میڈیکل تعلیم کا انتہائی معیاری ادارہ اوّل درجے کی سہولتیں کے ساتھ قائم کیا تاکہ نوجوانوں کے بہترین دماغوں کو وہ اپنے زیر اثر لے کر چند سال کے دورِ تعلیم میں "درست" کریں۔ تاکہ جب یہ لوگ پاکستان میں بڑی بڑی حیثیتوں کے ساتھ کام کریں تو یہ اور ان کے اقربا سوسائٹی کو سیکولرازم کا شکار بنا کے چھوڑیں۔ دوسری طرف ملکی اداروں کی پستی کا احساس ان میں اپنے ملک اور معاشرے کی محبت کو مجروح کر دے۔ لیکن دوسرا اقدام اس سے بھی بڑا ہے۔ گلگت اور ملحقہ علاقوں میں شیعہ اور سنی آبادی کا ایک خاص توازن قائم تھا۔ اب اسمٰعیلی ادارے کے قیام سے یہ توازن ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ یہ لوگ بہت روپیہ خرچ کر کے، بہت سہولتیں دے کر اردگرد کی آبادی کی نوجوان قوت کو سمیٹتے جائیں گے۔ جب کہ دوسری طرف پرانی طرز کے ہمارے اسلامی مدارس اور نئی طرز کے متوسط سے مراکز کی طرف رجوع مسلسل کم ہوتا جائے گا۔ غریبی اور جہالت میں پڑے ہوئے لوگوں کو پیسے اور نئی تہذیب کے زور سے رسمی حد تک اسمٰعیلیت کی طرف اور حقیقی طور پر مغربیت اور سیکولرازم کی طرف کھینچا جائے گا۔

اگلے خطرناک پہلو کی وجہ سے بہت پریشانی ہے۔ یہ علاقہ جہاں ایک پُرکشش شاندار اسمٰعیلی ادارہ بنایا گیا ہے اور جہاں پہلے سے شیعہ آبادی موجود ہے۔ مختلف پہلوؤں سے بہت پسماندہ علاقہ ہے۔ یہ پس ماندہ علاقہ ایسی جگہ ہے کہ ایک طرف تو بھارت کا اس پر دعویٰ ہے اور دوسری طرف روس کی پہلی زد میں ہے۔ تکبیر کراچی نے اس خطرے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر روس کسی بھی وقت پاکستان پہ نوازشِ خاص کرنا چاہے (اور چشم بد تو اِدھر ہے ہی) تو اس کے لیے جہاں یہ علاقہ بہترین علاقہ ہے، وہاں قائم ہونے والا اسمٰعیلی ادارہ اور بھی بہت مفید ادارہ ہے۔ کمال یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے نہ اس سرحدی (روس کے قریب) علاقے میں ترقیاتی کام ہو سکے، نہ تعلیم عام ہو سکی۔ نہ غربت دور ہوئی اور نہ دفاعی انتظامات کافی ہیں۔ ہم بغیر تصدیق و تردید مشہورِ عام مبینہ خبر کا ذکر کر

کہہ دیتے ہیں کہ اسمٰعیلی حکومت قائم کرنے کے لیے سکے اور جھنڈے کے نمونے بھی تیار ہو چکے ہیں۔ نہ بھی ہوئے ہوں تو ان کاموں کو انجام دینے میں کیا دیر لگتی ہے۔ ضرورت صرف روس سے ذرا سی محبت بڑھانے کی اور فوائد سمیٹنے کی ہے۔

پاکستان واحد ملک ہے جس کی سرحدوں کے خطرناک ترین حصوں پر ایسی آبادیاں ہیں کہ جن کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کسی آزمائش کے لمحے میں کیا کریں گی۔

ایک طرف صلیبی حملے، ایک طرف زیر سطح قادیانی سرگرمیاں، ایک طرف بعض مسلم اور غیر مسلم اقلیتوں کی کرم فرمائیاں، ایک طرف ڈاکوؤں کا کھیل، ایک طرف کابل حکومت کی ترکتازیاں، ایک طرف واخان میں روس کا بھاری اڈہ، ایک طرف سیاچن کے برف زار پر قبضہ کرنے کے لیے بھارت کی شعلہ افگنیاں ـــ اور پھر ایک طرف اسمٰعیلی اسکیم ـــ کون کہہ سکتا ہے کہ ان سارے مہروں کے اس طرح بساط پر جمع ہونے کے معنی کیا ہیں؟[2]

ہمارے ہاں چونکہ لوگ کھانے پینے کے کاروبار میں لگے ہیں۔ ہر کوئی رشوت و خیانت کی اسکیموں پر روزانہ کاوش کر کر کے ان کو عمل میں لا کر فائدے حاصل کرتا ہے اور پھر آگے کا نقشہ بناتا ہے۔ ممبریوں اور عہدوں کی بانٹ، بلکہ خرید و فروخت ہوتی رہتی ہے، اور لوگ علاقوں اور صوبوں اور زبانوں کے لیے باہم دست و گریباں ہیں۔ اتنے اہم معاملات کے ہوتے ہوئے کس کو فرصت کہ وہ کارِ نمایاں کے اداروں کے ذریعے ہر چیز کی مخفی حقیقت کو وقت سے پہلے سمجھ سکے اور کس کو اس ضرورت کا احساس کہ وہ اپنے سرحدی علاقوں کو تعلیم اور معیشت اور دفاع کے لحاظ سے مضبوط بنائے۔ اور کس میں ہمت کہ وہ مشتبہ قسم کے غلط کام کرنے والوں

---

[1] اس مبحث کی شاید کچھ تفصیلات تعلیمی موضوع سے ہٹ کر الگ بھی دینی پڑیں۔

[2] عجیب بات ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے ہم اکثریت کے ہاتھوں ستم رسیدہ تھے اور اب ہم اقلیتوں کے ہاتھوں الم چشیدہ ہیں۔ گویا اصل خرابی اور کوتاہی خود ہم میں ہے، باہر کی زیادتیاں اور ستم شعاریاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔

کو روک سکے اور مشکوک اداروں کو اگر حکومت کی مستقل نگرانی میں نہ لے سکے تو کم سے کم ان پر بعض ضروری پابندیاں لگا دے۔

مگر جس حکومت کا اپنا کوئی تعلیمی تصور ہی نہ ہو اور کوئی تہذیبی نقشہ ہی نہ ہو، اس کے ہاں تو میدان کھلا ہے کہ جس کا جی چاہے آئے اور جیسی تعلیم و تہذیب چاہے قوم میں پھیلائے، کوئی احتساب اور روک ٹوک اور امتناع نہیں ہے۔ جہاں ۴۰ سال میں دستور ہی کا فیصلہ نہ ہو پایا ہو، جہاں یہی طے نہ ہو کہ کس قسم کی حکومت پاکستان کو چاہیے، جہاں یہی سوال جھگڑے کا باعث ہو کہ شریعت ہو گی یا لادینیت، وہاں کس بنیاد پر کسی اپنے بیگانے کو روکا جائے کہ فلاں کام یہاں کیا جا سکتا ہے، فلاں نہیں کیا جا سکتا۔

ایسی خستہ حالی و بے چارگی اور جمود و جذام کا عالم جہاں طاری ہو، وہاں ہم لوگ اسلام جیسے عظمت مآب نظامِ زندگی کی دعوت لیے اس امید میں کھڑے ہیں کہ شاید دیر صرف اتنی ہے کہ نظامِ اسلام کی معلومات قیادت کے سامنے رکھ دی جائیں تو وہ فوراً انہیں آنکھوں سے لگا کر نافذ کر دے گی۔ پیارے ساتھیو! یہ جو کچھ دیکھتے ہو کٹھ پتلیاں ہیں، گڑیاں ہیں، مومی مجسمے ہیں، یہ جیتے جاگتے آدمی بھی نہیں، تمہیں تو مسلمان چاہئیں!

خاندانی منصوبہ بندی کے موضوع پر ایک پیراگراف مجھے الگ سے لکھنا تھا، مگر برسبیلِ تذکرہ یہاں بات چھڑ گئی، لہٰذا اسی جگہ چند ضروری نکات عرض ہیں۔ اس کی اصل حقیقت توجہ طلب ہے۔ میں یہاں اس کے بنیادی فلسفے اور اس کے خلاف مغربی مفکرین کے دلائل کو پیش نہیں کرنا چاہتا، اور نہ اس مسئلے کو اپنے دینی اور عقلی نقطۂ نظر سے جانچنا چاہتا ہوں۔ فقط یہ کہنا ہوں کہ یہ مسئلہ اخلاق کے علاوہ بہت سے دوسرے سیاسی و تمدنی مسائل سے تعلق رکھتا ہے۔ دنیا کی اقوامِ غالب کو آبادی کی زیادتی یا وسائل کی کمی کا کوئی قضیہ درپیش نہیں ہے، انہیں ہمدردی صرف نوخیز ایشیائی، افریقی اور خصوصاً مسلم ممالک سے ہے[1]۔ یہ چیدہ اور اچکی قومیں جنہوں

[1] اس میں ایک بڑا ... نقطہ بھی پنہاں ہے۔ مغربی تاجر دیکھ رہے ہیں کہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

نے دُنیا بھر کے حصے کی دولت کچھ تو شہنشاہی دور میں لوٹی کھسوٹی اور کچھ اب قرضوں اور ایڈ کے سامراج، علمی و ثقافتی سامراج اور ہمیں ترقی کی راہ پر ڈالنے کے بہانے ہماری جیب تراشی کر رہے ہیں، اندر ہی اندر اس بات سے ڈرتی ہیں کہ اگر پچھلی پسی غریب اور سابق غلام قوموں کی آبادیٔ کثیر کے لشکر کے لشکر ہمارے خلاف اُمڈ پڑے تو یہ تو سب کچھ تباہ کر دیں گے[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

مشرق کی وسیع منڈی کے لوگوں کی قوتِ خرید آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتی جاتی ہے۔ اس لیے وہ انہیں سکھاتے ہیں کہ "بچے دو ہی اچھے" کی صورت میں خوب کھاؤ پیو گے اور تیسرے بچے کو روک کر اس پر اُٹھنے والے خرچ سے ٹیلی وژن یا سکوٹر خرید سکو گے اور مجبوری ہوئی تو قسطیں ادا کر سکو گے۔ پھر چوتھے بچے کو روک کر فرج لے لینا ——— نہایت دُور رس فکر کے ساتھ دورِ نو کے بنیئے ہمارے ہاں "بچہ روک" تحریک چلاتے ہوئے ہیں۔ اور اس تحریک کو ہمارے محکمہ ہائے صحت، ویلیج ایڈ، تعلیم، ریڈیو اور ٹیلی وژن اور اخباری اشتہارات کی مدد سے ہماری حکومتوں کے ذریعے "تبلیغ" کرا رہے ہیں۔ اس کارِ خیر کے لیے فنڈ مہیا کیے جاتے ہیں اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو دیہات تک میں خانہ بہ خانہ بھیج کر خاندانی منصوبہ بندی کی تعلیم مردوں اور عورتوں کو ایسے اہتمام کے ساتھ دلوائی جاتی ہے گویا اُن کی دُنیا و آخرت کی بھلائی کا انحصار اسی پر ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] ملحدانہ نظریۂ سیاست اور مادہ پرستانہ تہذیب اور بداخلاقی اور اس کے ساتھ جدید دور کے اسبابِ آرام و تعیش اور ذرائع تفریحات نے بڑی بڑی قوموں کے ماحول کو ایسا بنا دیا ہے کہ ان کے مردانِ جنگی کی قوتوں کا پیمانہ گر گیا ہے۔ امریکی فوج ویت نام میں کھڑی نہ رہ سکی، بھاگ نکلی اور اب روسی فوج کے لیے افغانستان دہکتا ہوا بھاڑ بن گیا ہے، جس میں اس کے سپاہی مکئی اور چنوں کے دانوں کی طرح بھن رہے ہیں۔ جو زندہ رہتے ہیں وہ کسی اچانک آفت کے خوف میں گھُل گھُل کر ہیروئن اور دوسرے نشوں کی پناہ لینے لگے ہیں (باقی بر صفحہ آئندہ)

ان کے خیال میں ہماری اقوام کی آبادیٔ کثیر ہی بہت سے جھگڑوں، جھمیلوں، انقلابوں اور ہنگامہ خیزیوں کا باعث ہے۔ انھیں اندیشہ یہ ہے کہ اس سیلاب کا آخری نشانہ ہم بھی بن سکتے ہیں خود میرے مطالعہ سے کسی مغربی دانش ور کی یہ بات گزر چکی ہے کہ رنگین نسلوں کے چیونٹوں کا سیلاب اگر ایک دفعہ ٹوٹ پڑا تو پھر کئی صدیوں کے حاصل شدہ علم و تمدن کی خیر نہیں —
دراصل بڑی قومیں ہمیں خاندانی منصوبہ بندی کا سبق پڑھا کر اپنی خیر منا رہی ہیں اور بعض ہم چیونٹوں کو پیدا ہونے سے قبل ہی مسلوا دینا چاہتی ہیں۔ لوگ بھی خوش ہوتے ہیں کہ ایک بچے کا بوجھ اٹھانے سے بہتر ہے کہ ایک ٹیلی وژن خرید لیا جائے۔ پھر ایک مطلب یہ ہے کہ مسلمان اللہ لوگ ہیں یہ دور دراز تک دیکھ سوچ نہیں سکتے۔ ان کو خود ان کے ہاتھوں اپنے آزاد ملکوں میں آہستہ آہستہ پہلے کمزور اکثریت میں اور پھر بے حیثیت اقلیت میں بدل دو۔ اس دوران میں ان کی نوجوان نسلوں کے اخلاق بھی تباہ ہوں گے۔ گھر گھر میں بچے اور بچوں کی پیدائش اور جنسی رابطے کی حقیقت کے واعظ پہنچیں گے، بہت سے ہنستے بستے گھر اُن "گولیوں" اور دوسرے متعلقہ وسائل کی وجہ سے اجڑیں گے جن کے ساتھ خواتین کی صحت کے لیے دسیوں خرابیوں کے سامان ہیں۔ پھر ایک فائدہ یہ بھی کہ مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ خدا کے کاموں میں انسان مداخلت کر کے کچھ سے کچھ نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ اور خدا کسی مداخلت کو نہیں روک سکتا۔ (نعوذ باللہ) اصل چیز سائنس ہے، خدا تو بس خدا ہے۔
ان حقائق کے ہوتے ہوئے جب بڑی قوتیں قرضے اور ایڈ اور اسلحہ دینے پر معاہدات

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)
ایسی بگ پاور کے سامنے آ کر اونچے تختوں پر بیٹھی عالمی قوتیں ان سوکھے ڈھانچوں اور "چیونٹوں" کے سیلاب سے ڈر رہی ہیں جو آگے بڑھیں تو پھر سنگینوں کی صفیں الٹ جاتی ہیں۔ مگر مرنے والوں کی رو نہیں تھمتی۔ حتیٰ کہ کچھ تو وسائل ختم ہو جاتے ہیں اور کچھ ظلم کرنے والوں کے اعصاب جواب دے جاتے ہیں ایسے حالات سے بچنے کے لیے خاندانی منصوبہ بندی ہی بہتر ہے۔

کرتے ہوئے یہ منواتی ہیں کہ تم لوگ اپنے ہاں خاندانی منصوبہ بندی کی مہم چلاکر کامیاب نتائج دکھاؤ گے اور اس کارِ خیر کے لیے ہم جذبۂ خدمت کے تحت بھاری رقوم اپنے پلے سے دیں گے تو ہمارے حکمران زبان سے، یا کم سے کم آنکھوں سے اور دستخط کرتے ہوئے قلم کی جنبشوں سے کہہ دیتے ہیں: "یس سر!"

بس ہماری حیثیت ساری کی ساری سمٹ کر اس ایک "یس سر" میں آجاتی ہے - یہی جادو کا اسمِ اعظم ہے جسے ایک سیکشن آفیسر اپنے سیکرٹری کے سامنے کہتا ہے - یہی کسی پارٹی کا عہدہ دار اپنے لیڈر کے سامنے کہتا ہے، یہی کوئی وزیر اپنے وزیراعظم سے کہتا ہے - یہی ایک فوجی افسر اپنے کمانڈر سے کہتا ہے - اور یہی ہمارے اکابر جن سپر پاورز کی زلفوں کے اسیر ہوتے ہیں، اُن سے کہتے ہیں -

تو جناب ساری قوم فقط ایک "یس سر" ہے - یہ "یس سر" نہ ہو تو پھر کچھ نہ رہے -

---

مُسلم اکثریتی ممالک کو جس طرح لادین عالمی طاقتوں نے دبوچا ہوا ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ ہمارے بظاہر آزاد ملکوں کی حکومتیں اور اکابر اور دانش ور کوئی ایسا لفظ زبان پر نہیں لا سکتے، کوئی قانونی فیصلہ نہیں کر سکتے، کوئی سفارتی اقدام نہیں کر سکتے، اپنے دفاعی معاملات اور خارجہ تعلقات کو سو فی صدا پنی آزاد مرضی سے طے نہیں کر سکتے، حتٰی کہ محض معاشی ترقی اور قدرتی وسائل کے متعلق بڑے بڑے منصوبوں یا وسیع الاثر مالیاتی مسائل اور خام اجناس کی فراہمی اور باہر سے مشینی اور کیمیاوی اور دفاعی سامان کی خریداری تک کے معاملات میں قطعی فیصلے نہیں دے سکتے - اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا میں مُسلم اقلیتوں کا حال کیا ہوگا ؟

یونانی ترکی اقلیت پر، فلپائنی مورو تحریک آزادی اُٹھانے والے مسلمانوں پر، حکام جبشہ اریٹیریا کی سلب شدہ آزادی کو بحال کرنے کی جدوجہد کرنے والے مسلمانوں پر برسوں سے ستم توڑ رہے ہیں - یہودی حکومت نے عرب اقلیت پر اوّل روز سے پوری بے شرمی کے

سا ختہ طرح طرح کے مظالم ڈھلئے ہیں، ان کی نسل کُشی کی کوششیں کی گئی ہیں۔ بہت سے لوگوں کو وطن سے محروم دیا ہے۔ معاشی ذرائع کے لحاظ سے مسلمانوں کو مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ اب فلسطین کی مسلم اقلیت کے تازہ ترین مطالبۂ آزادی پر جو زن بچہ سامنے آتا ہے اُسے بہیمیت کے کولہو میں پیلا جارہا ہے۔ بھارت کے مسلمان پس رہے ہیں، بنگلہ دیش کے مسلمانوں پر بھارتی سامراج کی منحوس پرچھائیں پڑ رہی ہے۔ برما اور تھائی لینڈ کے مسلمانوں پر اسن آف دی سوائل کا کوڑا برس رہا ہے۔ یوگوسلافیہ اور البانیہ کے مسلمانوں کو وحشت اپنے سینگوں پر اچھال رہی ہے۔ پھر روس میں مسلم اقلیتیں خدا اور رسول کا نام لینے کو پورے دَور انقلاب میں ترس گئی ہیں۔ سری لنکا میں انہیں کبھی بودھوں نے تنگ کیا اور کبھی سنہالیوں نے اذیتیں دیں۔ اور اب بھارتی لشکری بھی ان پر دستِ تعدی دراز کر رہے ہیں۔ دُنیا میں بین الاقوامی انصاف کے علمبردار، انسانی حقوق کے پاسبان ٹک ٹک یہ سب کچھ دیکھتے ہیں اور نہ کوئی جنبشِ لب ہے، نہ حرکتِ قدم۔ اُونچے اُونچے دعوے اور نعرے جھوٹ اور منافقت کے سانچے میں ڈھلے ہیں۔ اندر سے بہ عدل کے داعی اور پرستار اور انسانیت کے سر پرست مسلمانوں کی مصیبتوں پر خوش ہیں۔ اِدھر انڈونیشیا میں پنج بنائے اسلام کی بیخ کنی کے لیے پنج شیلا کا جبری نفاذ۔ دوسروں کا تو کیا کہنا، خود مسلمان دُنیا بھر میں مگن پڑے ہیں، کسی میں یارا نہیں کہ اپنے برادرانِ ملت کے دُکھوں پر کوئی آہ و فغاں ہی کر دے۔ ہمارے حکمران کوئی بیان نہیں دے سکتے۔ جمہوری پارلیمنٹیں کوئی قرارداد پاس نہیں کر سکتی۔ محض مسجدوں سے اضطراب انگیز ماتمی آوازیں اُٹھتی ہیں۔ مگر ان کو "ملا" کی آواز کہہ کر خود اپنے ہی لوگ کچل دیتے ہیں۔

خود دیارِ مغرب میں جو مسلم اقلیتیں جا کر مختلف ملکوں میں بس گئی ہیں وہ بھی آرام چین سے نہیں ہیں۔ برطانیہ میں تو اُن کو نسلیت اپنے خونیں ناچ سے وقتاً فوقتاً پریشان کرتی رہتی ہے لیکن برطانیہ سمیت ناروے سویڈن سے لے کر امریکہ کینیڈا تک اکثر ممالک میں ان کو اپنی طرزِ تہذیب پر قائم رہنے میں مشکلات درپیش ہیں۔ خصوصاً وہاں کے تعلیمی نظاموں میں ان کے عقاید و تصورات کے پرزے اُڑتے ہیں۔ مغربی معاشرے چاروں طرف شراب و شباب کے طوفان اُٹھائے ہوئے ہیں۔ جہاں جانے والے خاندانوں کے بچے بھی آہستہ آہستہ

اثر پذیر ہوتے ہیں۔ اور بطور خاص جو نوعمر متعلمین تعلیم یا کسی فنی تربیت کے لیے وہاں جاتے ہیں یا کوئی ملازمت کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت ہی خوش قسمت افراد سیلِ زمانہ میں بہنے سے بچ سکتے ہیں۔ پھر اردو زبان کو تعلیم گاہوں اور ذرائع ابلاغ میں جگہ نہ ملنے (یا برائے نام حصہ ملنے) کی وجہ سے نئی نسلوں کا دینی علوم اور قومی لٹریچر سے رابطہ ٹوٹ جاتا ہے۔ قومی زبان کی یہ چھوٹی سی "جان بچاؤ" کشتی جو باہر جاکر حسین غلاظت کے سیلاب میں ذریعہ تحفظ ہو سکتی ہے، یہ بھی مسافر سے چھن جاتی ہے اور وہ ڈبکیاں کھاتا ہے۔ مگر جس قوم نے خود اپنے ہی گھر میں قومی زبان کو اچھوت بنا دیا ہو، وہ اسے باہر کیا وقعت دلوا سکتی ہے۔

مسلمان اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں ـــــ وہ دنیا میں ایک ارب کی تعداد میں ہوتے ہوئے انتہائی مصیبت اور پستی اور بے بسی میں مبتلا ہیں۔

اس موقع پر مسلمانوں سے دشمنی رکھنے والی صہیونی تحریک کا ذکر ضروری ہے۔ اس تحریک کے زیر اثر یہودی جہاں بھی ہیں، مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکنے اور پیچھے دھکیلنے میں بہت بڑا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ یہودیوں کے پاس بڑے بڑے علمی و تحقیقی و سائنسی کاموں کے ماہرین کے علاوہ چند مادی قوتوں کا ارتکاز ہے۔ سرمایہ اور دنیا کے فنانشل اداروں، بنک کاری اور مارکیٹوں میں نفوذ، تیل اور دوسرے بڑے بڑے کاروباروں میں ان کا دخل، اور دیگر منشیات کی خرید و فروخت پر قابو، فلموں اور نائٹ کلبوں اور ہر قسم کے شو بزنس میں خاصا حصہ، اپنے کاروباروں کے اشتہارات اور اپنی اشتہاری فرموں کے ذریعے اخبارات و جرائد پر تسلط، عالمی پروپیگنڈا اور خبر سازی اور خبر رسانی کے وسائل سے بھرپور کام لینے کا وسیع تجربہ، اقوام اور اس سے متعلق عالمی اداروں میں شرکت، امریکی صدارت کے انتخاب میں بالادستی اور قصرِ اسپید میں نفوذ اور جمہوری ایوانوں اور بعض اہم کمپنیوں میں اہم حیثیت ان ساری قوتوں کو وہ مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ حال ہی میں بڑے سرمایے سے

چلنے والا ایک اعلیٰ درجے کا انگریزی رسالہ "عریبیا" (لندن) جو شاندار معیار سے شائع ہو رہا تھا، محض اس لیے بند ہو گیا کہ یہودی نہ تو اسے کافی اشتہارات حاصل کرنے دیتے تھے اور نہ اس کی فروخت کو بڑھنے دیتے تھے۔ امریکہ میں پاکستان کے ایڈ اور قرضوں اور اسلحہ کے معاملات کے بگڑنے میں ہمیشہ یہودی ہاتھ متحرک رہا ہے۔

صہیونی قوتِ بد (EVIL FORCE) کے ساتھ متوازی طور پر بھارت بھی آگے بڑھ رہا ہے اور دونوں کا قارورہ کئی سال پہلے سے مل چکا ہے۔

یہودیوں کی سرپرستی امریکہ اور بھارت کی ۷۵ فیصد سرپرستی روس اور ۲۵ فی صد امریکہ کرتا ہے۔

ان قوتوں کو پہچانیے جو ہمیں نہ صرف مادی لحاظ سے مات دینے کے لیے کوشاں ہیں بلکہ سپر پاورز کے عین مطابقِ منشا ہمیں لادینیت اور اوپن سوسائٹی کے تصوّر کی طرف بڑے زور سے دھکیل رہی ہیں۔

اور ہم ان کی مرضی کے مطابق اس طرح چل رہے ہیں جیسے ہماری آنکھوں پر پٹی بندھی ہو اور دشمن ہمارا ہاتھ پکڑ کے کسی گڑھے میں دھکیلنے کے لیے ہمیں لے جا رہا ہو۔

وامصیبتاہ!

یہ سلسلۂ اشارات تو چلتا رہے گا۔ یہاں مجھے اس تازہ ترین صورتِ احوال کا خیال آیا جس سے مجاہدینِ افغانستان اور مہاجرین اور ان کے ساتھ ہم دوچار ہیں۔ دُنیا کی دو سپر پاورز (امریکہ و روس) نے اُوپر ہی اُوپر گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ اب روس، روس کی کٹھ پتلی کابل حکومت، امریکہ، بعض مُسلم ملک، چین اور بھارت نیز پاکستان کی رُوسی اور بھارتی لابی، سب کا دباؤ اس مسئلہ پر ہم پر زیادہ سے زیادہ پڑ رہا ہے۔ عالمی پروپیگنڈا مشینری کی گراریاں تیزی سے گھوم رہی ہیں۔ اخباری اسکرین پر ہر روز نئی نئی اور متضاد سرخیاں اور بیانات سامنے آتے ہیں۔ نتیجہ جو کچھ سپر پاورز اور ان کے حواریوں کو مطلوب ہے، راقم کی رائے

کے مطابق اس کا ایک جزو تو قطعی ہے اور وہ یہ کہ افغانستان میں اسلامی حکومت قائم نہ ہونے پائے، (خدا کرے کہ دشمنوں کی یہ تمنا بر نہ آئے) کیونکہ یہ غیر مسلم دنیا کے لیے بدترین اور ناخوشگوارترین واقعہ ہوگا۔ ایران میں شیعہ اسٹیٹ کے ساتھ افغانستان کی سُنی اسٹیٹ بھی قائم ہو جائے تو دُنیا کا نقشۂ احوال سخت متاثر ہوگا۔ "بنیاد پرستی" کا ظہور و غلبہ ان کے لیے ایسا ہی ہے جیسے جنوبی چھاپہ مار اور پاگل کمانڈوز تہذیبِ بے خدا کے پورے جہاز کو مع مسافروں کے اغوا کر کے لے جائیں اور جہنم میں ڈال آئیں۔

رُوس، امریکہ، بھارت، چین، اسرائیل تو ہیں ہی بنیاد پرستوں کی اسلامی حکومت کے خلاف، خود پاکستان کے دانشوروں اور اہل قوت میں ایسے بااثر لوگ موجود ہیں جو اس خطرے سے پاکستان کو بچانا چاہتے ہیں کہ اس کے عین دروازے کے سامنے ایک اسلامی حکومت قائم ہو، جس کے نتیجے میں پاکستان کے اندر لادینیت کا طلسم ٹوٹ جائے اور اسلامی حکومت اور نفاذِ شریعت کی تحریک زور پکڑے۔

اور جس زور سے پاکستان نے اس معاملے میں سپر پاورز کے سامنے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کی شان دکھائی ہے اور جہاں جہاں خارجہ پالیسی کو ناک رگڑنی پڑی اس نے بہت ہی حسن و خوبی سے رگڑی ہے، حتیٰ کہ بھارت کو علاقے کا چوہدری ماننے کی جراَتِ رندانہ بھی ہوگئی ان حالات نے یہی گواہی دی ہے کہ جیسے کہ پہلے میں نے کہا کہ ہم بحیثیت قوم اقوام برتر کے سامنے صرف "بس سر" بن کر رہ گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

زوال تو ہم پر طاری ہے ہی ___ اور ہم ایک الگ ریاست بنا کر بھی غلاظت کی دلدل سے نہ نکل سکے جسے غلامی نے ہمارے لیے تیار کیا تھا ___ ستم یہ ہے کہ ہمارے ہاں نسبتہً دو ایک اچھے وزرائے خارجہ گذرے ہیں، لیکن اب جب کہ ایک بُرا وقت سامنے ہے، ہمیں ایسا شاندار وزیر خارجہ ملا ہے کہ جس نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ تاشقند کی شکست کے بعد جس قوم نے شملہ کی شکست کھائی تھی، اُسے اب تیسری بار دُنیا کے سیاسی چوراہے جنیوا میں ایسی ذلیل شکست دلوائی جائے کہ اس قوم کا کوئی شہری آئندہ اس قابل نہ ہو سکے کہ وہ اپنے ملک میں بھی کوئی حق طلب کرنے کی جراَت کرے، کوئی سیاسی دعویٰ کر سکے یا اسلام

اسلام کا نام لے سکے، بلکہ ایسی شامِ غریباں طاری ہو کہ بس ماہرینِ مرثیہ خوانی کے سوا اس میں کوئی اور صلاحیت اُبھرے ہی نہیں!

بہرحال یہ حیثیت ایک غلط رَو مُسلم قوم کے ہماری اپنی شامتِ اعمال! اب جو رہی سہی کسر ہے اُسے پورا کرنے کے لیے ملک کی چند مخالف پاکستان شخصیتوں کو چھانٹ کر آگے لایئے اور انہیں صدارت و وزارت سونپ کر کہیئے کہ یہ ہے جناب پاکستان، اسے خراب خستہ حال کرنے کے لیے اپنے اپنے فلسفوں کے مطابق جو کچھ آپ کر سکتے ہیں، شوق پورا کریں پہلے ہم اپنا شوق پورا کر چکے ہیں، اب آپ کا حق ہے۔

ہو سکتا ہے کہ صورتِ حالات کے کچھ اور بدتر ہونے کے بعد یہاں کی چلتی پھرتی کروڑوں لاشوں میں ایمانی اور سیاسی زندگی پیدا ہو جائے۔

کتنا اچھا موقع پیدا ہوا کہ پاکستان کی فلاح پسند ہماری اکثریت اور افغان مجاہدین اور مہاجرین کی قابلِ فخر قوت اور محض حالات کے تقاضوں اور امریکی مفاد کے زیر اثر خود امریکی قوت بین الاقوامی فورم میں ہمارے سامنے ہے، مگر ہم اس بہترین موقع سے فائدہ اُٹھانے کے قابل نہیں ہیں۔

یہ سطریں لکھتے ہوئے مجھے خدا سے اُمید ہے کہ وہ مزید چند روز میں حالات کا نقشہ تبدیل کر کے بہتری کی راہیں پیدا کر سکتا ہے اور ہماری فرومائیگیوں کے باوجود کچھ اچھے نتائج و اثرات کو ہمارے لیے مقدر کر سکتا ہے — ان مخلص مردوں اور عورتوں اور غریبوں اور امیروں کی بے حساب قربانیوں کی قدر افزائی کے طور پر جنہوں نے پاکستان کو سچے جذبات سے اس لیے چاہا تھا کہ اس میں اسلام کا بول بالا ہو سکے۔

بدقسمتی سے دونوں بڑی طاقتوں کی مخفی دلی تمنا یہ ہے کہ اس علاقے میں خون خرابہ جاری رہے، ہو سکے تو اس کے دو حصے ہو جائیں، شمالی حصے سے روس قیمتی معدنیات کے خزانے حاصل کرتا رہے اور اسلام کی حکومت بھی قائم نہ ہو، کیونکہ فنڈامنٹل ازم کے قائلین کی اسلامی حکومت سب کے لیے ایٹم بم سے زیادہ خطرناک ہے۔ (باقی)